© rasailojaraid.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اشارات

ربیع الاول کا آنا ہر مسلمان کو مبارک!

ماہ ربیع الاول آتا ہے تو ہر بار ایک بڑا پیغام لے کے آتا ہے اور اسے ہر سال دوہراتا ہے، خاص طور سے ۱۲ تاریخ کو یہ پیغام فضا میں جگمگانے لگتا ہے اور نغمۂ ایمان بن کر ضمیر سے اُبھرتا ہے۔

پیغام کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا پیغام —— سچی محبت کا پیغام، آدمی کی شخصیت کو جھنجھوڑ دینے والا پیغام، فرد کے انقلاب، قوم و حکومت کے انقلاب اور رجحانِ انسانیت کے انقلاب کا پیغام!

مگر ہماری بدقسمتی ہے کہ محبتِ رسولؐ کے اظہار کے لیے ہم ایسی سرگرمیوں، بھیڑ بھاڑ اور شور و ہنگامہ میں کھو جاتے ہیں، ہم اتنے از خود رفتہ ہوتے ہیں کہ وہ پیغام نہ ہم کو سُنائی دیتا ہے، نہ اس کی گونج اور چکا چوند کا ہمیں پتہ چلتا ہے اور نہ اُس کی زلزلہ افگنی سے ہمارے دل و دماغ میں جنبش پیدا ہوتی ہے۔ ہم جلسوں، جلوسوں، جھنڈوں، نعروں؛ قوالیوں، نعتوں، میلاد کی محفلوں، درود شریف کے حلقوں، ریڈیائی تقریروں، ٹیلی ویژن پر دکھائی جانے والی میلادی رونقوں کے مناظر، پھولوں، ہاروں، خوشبوؤں، چراغوں، قمقموں، عمائدِ حکومت کی نشری تقریروں اور سیرتِ پاک کی بڑی بڑی دلچسپ تقریبوں کے طوفان میں حصولِ ثواب کے لیے (اور بعض لوگ حصولِ تفریح کے لیے) ایسے غوطہ زن ہوتے ہیں کہ نہ دُنیا کا پتہ، نہ دین کی خبر،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دُنیا کے معاملے دُنیا کو چلانے والے جانیں اور دین خدا کے حوالے !

آیئے، قبل اس کے کہ ربیع الاوّل کا محبوب طوفان اُمڈ پڑے اور اس کی پیاری پیاری موجوں کے دل پسند تھپیڑوں سے عقل و حواس پر نشہ طاری ہو جائے، محمدی پیغام کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ (روایاتِ لفظی کی کڑی پابندی کے بجائے مدّعا بیان کر دیا گیا ہے)۔

محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ تمام نبی یہ پیغام لے کر آئے کہ اِتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ۔ خدا کی گرفت سے ڈرو اور صحیح زندگی گذارنے کے لیے میری پیروی کرو۔

حضورؐ نے بتایا کہ کوئی نبی اللہ نے ایسا نہیں بھیجا کہ جس کی اطاعت لازم نہ کر دی ہو۔

حضورؐ نے فرمایا کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے ماں باپ اور اولاد سے بڑھ کر مجھ سے محبت نہ کرے۔ (یعنی جب حضورؐ کا حکم و قانون اور اقربا کا مفاد آمنے سامنے آجائیں تو وہ حضورؐ کے حکم و قانون کے آگے سرِ تسلیم خم کر دے اور اپنے چہیتوں کا مفاد ٹھکرا دے)۔

حضورؐ اپنے لیے جس درجے کی محبت و وفا چاہتے ہیں اس کا تصوّر ذیل کے اشارات سے اخذ کیجیے:۔

حضورؐ نے فرمایا: جب کسی معاملے میں اللہ اور اس کے رسولؐ نے فیصلہ دے دیا ہو تو پھر کوئی مومن اور مومنہ اپنے لیے کوئی دوسری صورت پسند کرنے کے اختیار سے دست بردار ہو جائیں۔

حضورؐ نے فرمایا: کوئی بھی قضیہ اور مسئلہ پیش آئے تو اُسے میرے سامنے (یا میری تعلیمات کتاب و سنّت کے سامنے) لایا جائے اور مجھے آخری فیصلہ کرنے والا قطعی حَکَم مانا جائے، پھر جو کچھ میری طرف سے فیصلہ ملے اُسے بے چون و چرا قبول کیا جائے —— ظاہراً ہی نہیں، دل میں بھی اس کے خلاف کوئی ادنیٰ سی تنگی اور ناپسندیدگی یا نارضامندی باقی نہ رہنی چاہیے، اور بات کو اس شان سے قبول کیا جائے، جیسے قبول کرنے کا بہترین اسلوب ہو سکتا ہے اس

© rasailojaraid.com

فرمان کی خلاف ورزی کرنے والا ایمان نہیں پا سکتا۔

حضورؐ نے فرمایا: میں جو کچھ دوں اُسے خوشی سے قبول کر لیا جائے اور جس شے سے روک دوں، اُس سے میرا ماننے والا باز رہے۔

حضورؐ نے فرمایا: اہلِ ایمان میرے بہترین نمونہ زندگی پہ کاربند ہوں اور میری سنّت کے مقابل میں کسی بدعت کو اختیار نہ کریں۔

حضورؐ نے فرمایا: مجھ پہ ایمان لانے والے اپنی پوری جدوجہد سے اسلام کو ہر دوسرے دین (نظامِ اطاعت) پر غالب کر دیں اور سارا دین صرف اللہ ہی کا رہ جائے۔ یعنی کوئی دوسرا اپنی اطاعت کرانے والا نہ رہ جائے۔

ان چند مختصر اور منتخب کلمات کی صورت میں جو پیغام ہمیں دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی مرضیات کے تحت قرآن کی زبان میں بھی اور حدیث کے الفاظ میں بھی ہم سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ اپنی پوری زندگیوں میں میرے لائے ہوئے دین، میری شریعت، میرے فیصلوں، میری اتھارٹی اور میری سنّت کو غالب کیا جائے۔

اپنی ذات یا شخصیت کے دائرے میں، اپنے گھر میں، اپنے کاروبار میں، اپنے دفتر میں، اپنے کھیت میں، ملک کی معاشی میں، نظامِ تعلیم میں، پارلیمنٹ کے قوانین میں، تھانوں اور کچہریوں کے معاملات میں، ذرائع ابلاغ کے استعمال میں، جنگ کے میدانوں اور صلح کی مجلسوں میں، ثقافت کی تقاریب میں، آمدنیوں اور اخراجات میں، فرائض اور حقوق کے توازن میں، غریبوں اور کمزوروں کی مشکلات دور کرنے میں، غرضیکہ تمام دائروں میں شریعتِ محمدیہ کو غالب کرنے کی کوشش کی جائے۔ اسلام پہ ایمان رکھنے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے کا اہم ترین تقاضا یہی ہے۔ نفاذِ شریعت۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا ہی اچھا ہو کہ ہماری حکومت اس سلسلے میں دیانت داری سے مؤثر اقدام کرے اور ماہ ربیع الاوّل کے بابرکت مہینے ہی میں نویں ترمیم کے علاوہ پرائیویٹ شریعت بل پاس کر کے خدا پہ ایمان اور نبیؐ پاک سے محبت کا ایسا حق ادا کرے کہ قوم میں اس کے افراد و اعیان پر اعتماد پیدا ہو اور خدا کی طرف سے تائید حاصل ہو۔

دیکھیے فرار و گریز سے کچھ حاصل نہیں، ہچر مچر کا کوئی فائدہ نہیں۔ کئی وجوہ سے اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔ چند نکات عرض ہیں:

۱۔ اب تک جن لوگوں نے شریعت سے فرار و گریز کا طریقہ اختیار کیا، ان کی حکومتوں کے تخت اُلٹ چکے۔ اُن سے عبرت حاصل کیجیے۔ نفاذِ شریعت سے آپ عوام کی بھاری اکثریت کے دلوں کو اپنے ساتھ لے سکتے ہیں۔

۲۔ معاشرہ میں افراد سے لے کر اداروں تک ایک جمود کئی برس سے اس وجہ سے طاری ہو گیا ہے کہ اُن کے پاس کوئی نصب العین نہیں رہا، اور ان کا مشغلہ بس یہ رہ گیا ہے کہ ایک حکومت کے بعد دوسری حکومت کا انتظار کریں کہ شاید کسی دور میں بندگی سے بھلا ہوتے لگے۔ کبھی جمہوریت، کبھی آمرانہ جمہوریت، کبھی مارشل لا، کبھی غیر جماعتی انتخابی حکومت۔

۳۔ نصب العین نہ ہونے کی وجہ سے محض ذاتی مفاد و آسائش مقاصد بن گئے ہیں۔ کچھ آبادی تو مجبور ہے کہ اپنی محنت کی حدود میں پابند رہے۔ مگر اور جہاں کہیں سرمایے کی قوت یا اختیارات کی قوت کام کر رہی ہے، ہر شخص دوسروں کی جیبیں کاٹ رہا ہے۔ "شریف" لوگوں کے "جرائم" کی وسعت سے اب کوئی گوشۂ زندگی خالی نہیں رہا۔ پھر بہیمانہ تشدد کے ذریعے باقاعدہ فوجداری جرائم کرنے والوں کا طوفان ہر طرف برپا ہے۔ پھر دوسروں کے آلۂ کار بننے والوں کی طرف سے تخریب کاریاں کرنے اور دہشت پھیلانے کا خوفناک سلسلہ جاری ہے۔ قومی اخلاق و کردار کا اس طرح گرنا اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ اب لوگوں کو اُس نصب العین سے دُور ہٹا لیا گیا ہے جس کے لیے وہ ہمیشہ قربانیاں دیتے چلے آئے ہیں اور جس کی تحریک سے ان کے اخلاق میں بلندی آتی ہے۔

۴۔ ہمارا نظامِ تعلیم بے لنگر کا ایک جہاز بنا ۳۹ برس سے زندگی کے سمندر میں اِدھر سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُدھر بھٹکتا پھر رہا ہے اور اس کی سمتِ سفر متعین نہیں ہو سکی۔ پھر اس بیمار نظامِ تعلیم کا ایک ستم یہ بھی ہے کہ یہ اچھی اچھی صلاحیتوں کو برباد کرتا اور نالائقوں کو بامِ رفعت پر پہنچاتا ہے۔ ہمارے ہاں کوئی ایسا شخص پیدا نہیں ہوا جو نظامِ تعلیم کی نالائق نوازی (بوجہ سفارش سازی اور امتحانی خیانت) کا کوئی درماں کر سکتا۔ ایسا جذبۂ تازہ تو شریعتِ اسلامیہ ہی دے سکتی ہے۔

۵۔ صوبوں اور علاقوں اور لسانی عصبیتوں نے اب فتنہ کی یہ چوٹیاں بھی سر کر لی ہیں کہ پاکستان کو صاف صاف ناپسند کرتے ہیں۔ اُسے ختم کرنے کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں، اس نیک کام کے لیے بھارت کو بھی اور روس اور اسرائیل کو بھی دعوت دیتے ہیں کہ کوئی آئے اور ہماری طرف سے پاکستان کے وجود سے انتقام لے۔ یہ چیز کبھی نشوونما نہ پاتی، اگر دیانت داری سے یہاں ابتدا ہی میں (قرار دادِ مقاصد کے بعد) اسلامی نظام، اسلامی اصول، اسلامی تعلیم، اسلامی ادارات، اسلامی قدروں اور اسلامی ثقافت کو نافذ کر کے ہر ہر فرد کو صبغۃ اللہ کے رنگ میں رنگ دیا جاتا۔

اب بھی ہم کہتے ہیں کہ اس ملک کو اپنے ہی فرزندوں کے ہاتھوں تباہی سے بچانے کی کوئی اور راہ اس کے علاوہ نہیں ہے کہ یہاں جلد سے جلد اسلامی نصب العین اور اسلامی احکام و قوانین اور اسلامی ادارات و اقدار کو رائج کیا جائے۔ اور تمام صوبوں کو ضابطہ کی رُو سے اُن کا پابند کیا جائے۔ اگر کوئی شخص مزاحم ہوتا ہے تو اسے راستے سے ہٹا کر عدالتِ قانون کے حوالے کرنا چاہیے۔

۶۔ ہمارے یہاں انتشارِ فکری اس درجہ پھیل چکا ہے کہ اب کئی کروڑ کی یہ قوم مختلف نظریوں میں بٹی ہوئی ہے۔ سوشلزم اور سیکولرازم اور جدیدیت اور اجتہاد کے نام سے انحراف پسندی اور مغربی خواتین کے تصوراتِ آزادی و مساوات پر مبنی بیگمات کی تحریک، اور غیر اسلامی ثقافت نے کے فروغ کے لیے رقص و سرود کی تقاریب و مجالس اور شو بزنس کے اسٹارز کو مقامِ اعزاز دلوا نے کے لیے خصوصی پروپیگنڈا مہم اور بھارت کے مذہبی، تہذیبی، اسطوری اور لسانی اطوار و اقدار کا پاکستان میں نفوذ، یہ سب کچھ اس لیے عام ہوا کہ ہمارے ملک کی حویلی ایک ایسی سرائے ہے جس پر کوئی پہرہ دار اور نگران اور انتظام کار نہیں ہے۔ ہمارے نظریے کو ملک کے دروبست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور قوم کی تعمیرِ جدید کے کام سے حکمرانوں، بیوروکریٹوں، سیاست بازوں اور جدیدیوں نے مزاحمت کی ایک فصیل کھڑی کرکے دُور روک رکھا ہے۔ نتیجہ یہ کہ مخالفِ اسلام اور مخالفِ پاکستان نظریات ہماری قومی حویلی میں دندنا رہے ہیں اور ہمارے اپنے ہی شہری اور ہمارے اپنے ہی مسلمان ان کے سرپرست ہیں۔

۷۔ کسی قوم یا ملت کی زندگی اِس شعور سے بلند ہوتی ہے کہ اس کے پاس کوئی امتیازی چیز ایسی ہے جسے وہ دنیا کو دے سکتی ہے اور جس کے ذریعے انسانیت کی فلاح و بہبود کا کام کرسکتی ہے۔ اگر ہمارے پاس سائنس اور ٹیکنالوجی نہیں ہے تو ہم اسے حاصل کریں، مگر دنیا کو ہم خداپرستانہ تصورِ حیات اور تصورِ انسانیت اور تصورِ تہذیب تو دے سکتے ہیں۔ ان کے سامنے ایک نئے طرز کے اخلاق کا اور نئے طرز کی معاشرت اور سیاست کا قابلِ رشک نمونہ پیش کرکے اس کی طرف انھیں دعوت تو دے سکتے ہیں۔

سائنس اور ٹیکنالوجی کو حاصل کرنے، ترقی کے میدان میں دوسری قوموں سے آگے بڑھنے کا جذبہ محض کسی دوسرے کی طرف سے جنگی خوف کی منفی قوت سے پیدا نہیں ہوتا، اس کے لیے دراصل ایسے ایمانی شعور کی ضرورت ہوتی ہے جس کے رُو سے جہاں اخلاق و کردار میں بلندی ہونی چاہیے، وہاں جذبۂ جہاد اور تیاریِ جہاد میں بھی انتہائی سرگرمی ہونی چاہیے۔ اسی طرح قوم کی مالی حالت کو بہتر بنانے اور اس کی غریب اکثریت کو سہارا بہم پہنچانے کے سامان بہم کرنے کے لیے بھی ایک ایک فرد میں ویسا زوردار جذبہ ہونا چاہیے، جیسا خدا کی عبادت سے پیدا ہوتا ہے۔ دولت پیدا کرنا اور دولت کو بڑھانا ایک وہ ہے جو سرمایہ دارانہ نقطۂ نظر سے ہوتا ہے، دوسرا وہ ہے جو غریبوں کی معاشی حالت کو بہتر کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ یہ دوسرا نقطۂ نظر اسلام کا ہے اور اس کے لیے اُس نے اُصول اور ضابطے مقرر کیے ہیں۔

۸۔ ہمارے حکمرانوں کو بھی اور دانش وروں اور دولت مندوں کو بھی اچھی طرح معلوم ہونا چاہیے کہ جب تک قرآن و حدیث کی تعلیمات اور خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کے نمونہ ہائے کردار اور ان کے سیاسی اقدامات اور سلاطینِ عادل اور سپہ سالارانِ حق پرست کے تاریخی کارنامے محفوظ ہیں اور عام مسلمان اس ریکارڈ سے کچھ نہ کچھ حصہ پاتے ہیں۔ اس وقت تک یہ ممکن نہیں ہے کہ مختلف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عذرات کی بنا پر آپ کتاب و سنت کے منشا کو مسخ کریں اور قوم کو یہ کہہ کر مطمئن کر سکیں کہ یہ ہم نے اجتہاد کیا ہے اور اس دور میں یہی اجتہاد خدا و رسولؐ کو پسند ہے۔

اس طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ سلف کے جن بزرگوں اور برصغیر کی جن عظیم اور صاحب کردار دینی شخصیتوں پر کروڑوں مردوں اور عورتوں کے ذہن اعتماد کرتے ہیں، ان کو آپ کبھی محض پارلیمانی اکثریت اور اپنے عہدے کے اختیارات اور پروپیگنڈے کے زور سے جبراً اپنی دینی قیادت پر مطمئن کر سکیں۔

اس سلسلے میں اگر کوئی غلط فہمی کام کر رہی ہو تو یہ جان لینا چاہیے کہ قوم میں ایک مستقل کشمکش برقرار رہے گی اور اس کی قوتیں جو یک سو ہو کر بہت بڑے نتائج پیدا کر سکتی ہیں، وہ کشمکش کی دھ سے ہمیشہ برباد ہوتی رہیں گے اور استحکام و پائیداری کسی حکومت کو نصیب نہ ہو گی۔

استحکام و پائیداری کی راہ صرف نفاذِ شریعت ہے۔

مندرجہ بالا وجوہ کی روشنی میں آپ ماہ ربیع الاول کی مبارک فضاؤں میں اچھی طرح غور فرمائیں کہ حکومت کو اور مخلص دانشوروں کو اور عوام کو اگر محبتِ رسولؐ کے راستے پر جانا ہو تو وہ کدھر سے کدھر جاتا ہے۔

احتیاط

ترجمان القرآن میں ضرورتِ استدلال کے لیے آیات و احادیث شائع ہوتی رہتی ہیں قارئین سے گذارش ہے کہ جن اوراق پر آیات و احادیث ہوں۔ ان کا خاص احترام ملحوظ رکھیں تاکہ بے ادبی نہ ہونے پائے۔ (ادارہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکمتِ سیّد مودودیؒ

(اسلامی تحریک کو زوال سے بچانے کے لیے دو اُمور)

از جناب سید اسعد گیلانی صاحب

دُنیا میں جب کوئی تحریک کسی اخلاقی یا اجتماعی یا سیاسی مقصد کو لے کر اُٹھتی ہے تو اُس کی طرف وہی لوگ رجوع کرتے ہیں جن کے ذہن کو اس تحریک کے مقاصد اور اس کے اُصول اپیل کرتے ہیں، جن کی طبیعتیں اس کے مزاج سے مناسبت رکھتی ہیں، جن کے دل گواہی دیتے ہیں کہ یہی تحریک صحیح اور معقول ہے، اور جو اپنے نفس کی پوری آمادگی کے ساتھ اس کو چلانے اور دُنیا میں قائم کرنے کے لیے آگے بڑھتے ہیں۔ ان کے سوا باقی تمام لوگ جن کی طبیعت کی افتاد اس تحریک کے مقاصد اور اُصولوں سے مختلف ہوتی ہے پہلے ہی اسے قبول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ اس کے دائرے میں آنے والے لائے نہیں جاتے بلکہ خود آتے ہیں۔ انہیں کوئی چیز مجبور کر کے خواہ مخواہ اس میں داخل نہیں کر دیتی، نہ کوئی طاقت انہیں لا کر اس میں چھوڑ جاتی ہے، جیسے کوئی کسی اندھے کو جنگل میں لے جا کر چھوڑ دے اور اُسے کچھ پتہ نہ ہو کہ میں کہاں ہوں اور کس لیے لایا گیا ہوں۔ بلکہ وہ اسے جانچ کر، پرکھ کر، سمجھ کر، پورے شعور اور کامل قصد کے ساتھ آتے ہیں، اور جب آ جاتے ہیں تو اس کے مقصد کو اپنا مقصد بنا کر کام کرتے ہیں۔ کیونکہ وہی مقصد ان کے دل و دماغ کو اپیل کرتا ہے۔ اس کے اُصولوں کو وہ اپنے اُصول بنا کر چلتے ہیں۔ کیونکہ ان اُصولوں کو صحیح و برحق سمجھ کر ہی وہ اس تحریک میں شامل ہوتے ہیں۔ ان کے لیے اس تحریک کو چلانا زندگی کا مشن بن جاتا ہے کیونکہ جو چیز ان سے ان کا پچھلا مسلک و مشرب چھڑاتی ہے اور ان کو اس نئے مسلک کی طرف کھینچ کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لاتی ہے۔ وہ دراصل اُن کے قلب و رُوح کا یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ یہی مسلک حق اور راست ہے۔ دراصل اس تحریک میں ان پر حق منکشف ہوتا ہے۔ اس کا انکشاف ہی ان کو اس تحریک کی طرف کھینچتا ہے۔ اور انکشافِ حق کی خاصیت یہ ہے کہ وہ آدمی کو کبھی اس مقام پر نہیں ٹھہرنے دیتا جہاں وہ انکشاف سے پہلے تھا، بلکہ وہ اسے کشاں کشاں اُس مقام کی طرف کھینچ لے جاتا ہے جدھر حق کی روشنی اُسے نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ کسی تحریک کی صداقت کے معترف ہو کر اُسے قبول کرتے ہیں ان کی زندگیوں کا رنگ بدل جاتا ہے۔ وہ پہلے سے بالکل مختلف ہو جاتے ہیں۔ ان سے ایسی باتوں کا ظہور ہوتا ہے جن کی توقع عام حالات میں انسان سے نہیں کی جاسکتی۔ وہ اپنے اُصول کی خاطر دوستیوں اور خونی و قلبی رشتوں تک کو قربان کر دیتے ہیں۔ وہ اپنے کاروبار، اپنی پوزیشن، اپنے منافع اور اپنی ہر چیز کا نقصان گوارا کرتے ہیں، حتیٰ کہ قید و بند کی تکالیف اور موت کے خطرات تک سہنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ یہ انقلاب ایسا ہمہ گیر ہوتا ہے کہ ان کی عادات بدل جاتی ہیں۔ ان کے خصائل میں تغیر آجاتا ہے، یہاں تک کہ ان کی شکل، صورت، لباس، خوراک اور عام طرزِ زندگی پر بھی اس کے اثرات ایسے نمایاں ہوتے ہیں کہ گرد و پیش کے لوگوں میں وہ اپنی ہزارا سے الگ پہچان لیے جاتے ہیں۔ ہر شخص ان کو دیکھ کر کہہ دیتا ہے کہ وہ جا رہے ہیں فلاں تحریک کے حامی۔

ہر تحریک کی ابتدا یوں ہی ہوتی ہے۔ ایسے ہی لوگوں سے وہ جماعت بنتی ہے جو اسے چلانے کے لیے اُٹھتی ہے۔ اس کے مقاصد اور اس کے اُصول خود ہی آدمیوں کی اس بھیڑ میں سے جو دُنیا میں چاروں طرف پھیلی ہوتی ہے، اپنے مطلب کے آدمی چھانٹتے ہیں اور صرف انھی لوگوں کو اس تحریک کے دائرے میں لاتے ہیں جنھیں اس سے مناسبت ہوتی ہے۔

اس کے بعد ایک دوسرا دور آتا ہے۔ جو لوگ اس تحریک میں شامل ہوتے ہیں، ان کی یہ فطری خواہش ہوتی ہے کہ ان کی اولاد بھی اسی مسلک پر اُٹھے، جس کو خود انھوں نے حق پاکر قبول کیا ہے۔ اس غرض کے لیے وہ اپنی نئی نسلوں پر تعلیم، تربیت، گھر کی زندگی اور باہر کے ماحول سے اس قسم کے اثرات ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کے خیالات، اخلاق، عادات اور خصائل سب کے سب اس مسلک کی رُوح اور اس کے اُصولوں کے مطابق ڈھل جائیں۔ اس میں انھیں ایک حد تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کامیابی ہوتی ہے، مگر بس ایک حد تک ہی ہوتی ہے۔ پوری کامیابی ہونا ممکن نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تعلیم و تربیت اور سوسائٹی کے ماحول اور خاندانی روایات کو طبائع کے ڈھالنے میں بہت کچھ دخل حاصل ہے مگر فطرت، دماغ کی ساخت، مزاج کی پیدائشی افتاد بھی ایک اہم چیز ہے، اور حقیقت میں دیکھا جائے تو بنیادی چیز یہی ہے۔ فطری طور پر دنیا میں ہر قسم کے آدمی، ہر مزاج، ہر رجحان، ہر ساخت کے آدمی ہمیشہ سے پیدا ہوتے رہے ہیں۔ جس طرح اس تحریک کے ظہور کے وقت ہر طرح کے آدمی دنیا میں موجود تھے۔ اور ان سب نے اس کو قبول نہیں کر لیا تھا۔ بلکہ صرف وہی اس کی طرف کھنچے تھے جو اس سے ذہنی مناسبت رکھتے تھے، اسی طرح بعد میں بھی یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ سب لوگ جو اس تحریک کے حامیوں کی نسل سے پیدا ہوں گے انہیں لامحالہ اس تحریک سے مناسبت ہی ہوگی۔ ان میں ابوجہل اور ابولہب بھی ہوں گے۔ عمرؓ اور خالدؓ بھی ہوں گے۔ جس طرح آذر کے گھر میں ابراہیمؑ حنیف پیدا ہو سکتا ہے، اسی طرح نوحؑ کے گھر میں "عمل غیر صالح" بھی پیدا ہو سکتا ہے اور ہوا ہے۔ قانونِ فطرت کے مطابق یہ امر لازمی ہے کہ اس سوسائٹی سے باہر بہت سے آدمی ایسے پیدا ہوں جو اپنے مزاج کی افتاد اور اپنی طبیعت کے رجحان کے لحاظ سے اس کے ساتھ مناسبت رکھتے ہوں، اور خود اس کے اندر بہت سے آدمی ایسے پیدا ہوں جو اس کے ساتھ کوئی مناسبت نہ رکھتے ہوں۔ پس یہ ضروری نہیں کہ تعلیم و تربیت کا وہ نظام جو تحریک کے ابتدائی حامی آئندہ نسلوں کے لیے قائم کرتے ہیں وہ ان کی پوری پود کو ان کے مسلک کا حقیقی متبع بنا دے۔

اس خطرے کے سدباب اور تحریک کو اس کے بنیادی اصولوں پر برقرار رکھنے کے لیے دو صورتیں اختیار کی جاتی ہیں۔

ایک یہ کہ جو لوگ تعلیم و تربیت اور اجتماعی ماحول کی تاثیرات کے باوجود ناکارہ نکلیں، ان کو جماعت سے خارج کر دیا جائے، اور اس طرح جماعت کو غیر مناسب عناصر سے پاک کیا جاتا رہے۔

دوسرے یہ کہ تبلیغ کے ذریعے سے جماعت میں ان نئے لوگوں کی بھرتی کا سلسلہ جاری رہے جو رجحان و ذہنیت کے اعتبار سے اس تحریک کے ساتھ مناسبت رکھتے ہوں، اور جن کو اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سکے اُصول و مقاصد اسی طرح اپیل کریں جس طرح ابتدائی پیروؤں کو انھوں نے اپیل کیا تھا۔ یہ اور صرف یہی دو صورتیں ایسی ہیں جو کسی تحریک کو زوال سے اور کسی جماعت یا پارٹی کو انحطاط سے بچا سکتی ہیں۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ رفتہ رفتہ لوگ ان دونوں تدبیروں کی اہمیت سے غافل ہوتے جاتے ہیں۔ جماعت کے باہر سے نئے لوگوں کو اندر لانے کی کوشش کم ہونے لگتی ہے۔ جماعت کی افزائش کے لیے تمام تر نسلی افزائش ہی پر اعتماد کر لیا جاتا ہے، اور جو لوگ اس طرح جماعت کے اندر پیدا ہوتے ہیں ان میں سے ناکارہ لوگوں کو خارج کرنے میں بھی خونی رشتوں اور معاشرتی تعلقات اور دنیوی مصلحتوں کی خاطر تساہل برتا جاتا ہے۔ طرح طرح کے بہانوں سے جماعتی مسلک میں ایسی گنجائشیں نکالی جاتی ہیں کہ ہر قسم کے رطب و یابس اس میں سما سکیں۔ اور اس مسلک کو اتنا وسیع کر دیا جاتا ہے کہ سرے سے اس کے سرحدی نشانات اور امتیازی حدود باقی ہی نہیں رہتے۔ یہاں تک کہ بھانت بھانت کے آدمی جماعت کے دائرے میں جمع ہو جاتے ہیں، جن کو کسی قسم کی مناسبت اس کے مسلک سے، اس کے اُصولوں اور اس کے مقاصد سے نہیں ہوتی۔

پھر جب جماعت میں اس کے اُصولوں سے حقیقی مناسبت رکھنے والے کم اور مناسبت نہ رکھنے والے زیادہ ہو جاتے ہیں تو اجتماعی ماحول اور تعلیم و تربیت کا نظام بھی بگڑنے لگتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہر نئی نسل پہلے کی نسل سے بدتر اُٹھتی ہے۔ جماعت کا قدم روز بروز تنزل و انحطاط کی طرف بڑھنے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اس مقصد کا اور ان اصول و مقاصد کا تصور بالکل ہی ناپید ہو جاتا ہے، جن پر ابتدا میں وہ جماعت بنی تھی۔ اس مقام پر پہنچ کر حقیقت میں جماعت ختم ہو جاتی ہے۔ اور محض ایک نسلی اور معاشرتی قومیت اس کی جگہ لے لیتی ہے۔ وہ نام جو ابتدا میں ایک تحریک کے علمبرداروں کے لیے بولا جاتا تھا، اس کو وہ لوگ استعمال کرنے لگتے ہیں جو اس تحریک کو مٹانے والے اور اس کے جھنڈے کو سرنگوں کرنے والے ہوتے ہیں۔ وہ نام جو ایک مقصد اور ایک اُصول کے ساتھ وابستہ تھا، وہ باپ سے بیٹے کو ورثہ میں ملنے لگتا ہے بلا لحاظ اس کے کہ صاحبزادے کی زندگی کے اُصول اور مقاصد اس نام سے کوئی مناسبت بھی رکھتے ہیں یا نہیں۔ درحقیقت ان لوگوں کے ہاتھ میں پہنچ کر وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نام اپنی معنویت کھو دیتا ہے ۔ وہ خود بھول جاتے ہیں اور دُنیا بھی بھول جاتی ہے کہ یہ نام کسی مقصد کسی مسلک ، کسی اُصول کے ساتھ وابستہ ہے ، بے معنی و مفہوم نہیں ہے ۔

اسلام اس وقت اسی آخری مرحلے پر پہنچ چکا ہے ۔ مسلمان کے نام سے جو قوم اس وقت موجود ہے وہ خود بھی اس حقیقت کو بھول گئی ہے اور اس کے طرزِ عمل نے دُنیا کو بھی یہ بات بھلا دی ہے کہ اسلام اصل میں ایک تحریک کا نام ہے جو دُنیا میں ایک مقصد اور کچھ اُصول لے کر اُٹھی تھی ، اور مسلمان کا نام اس جماعت کے لیے وضع کیا گیا تھا جو اس تحریک کی پیروی اور اس کی علمبرداری کے لیے بنائی گئی تھی ۔ تحریک گم ہوگئی ۔ اُس کا مقصد فراموش کر دیا گیا ۔ اس کے اُصولوں کو ایک ایک کرکے توڑا گیا ۔ اور اس کے نام اپنی تمام معنویت کو کھو دینے کے بعد اب محض ایک نسلی و معاشرتی قومیت کے نام کی حیثیت سے استعمال کیا جا رہا ہے ۔ حد یہ ہے کہ اسے ان مواقع پر بھی بے تکلف استعمال کیا جاتا ہے جہاں اسلام کا مقصد پامال ہوتا ہے ، جہاں اس کے اُصول توڑے جاتے ہیں ، جہاں اسلام کے بجائے غیر اسلام ہوتا ہے ۔ میرے دل نے بارہا یہ سوال کیا ہے کہ اسلام جو کبھی آندھی اور طوفان کی طرح اُٹھا تھا جس کے سامنے دُنیا کی کوئی طاقت نہ ٹھہر سکتی تھی ۔ آج اس کی کشور کشائی اور عالمگیری آخر کس چیز نے چھین لی ؟ اس کا جواب ہر بار مجھے یہی ملا کہ اسلامی تحریک پر تنزل و انحطاط کے اسی فطری قانون کا عمل جاری ہوا ہے ، جسے میں نے بیان کیا ہے ۔ اب اصلاح کی صورت اس کے سوا کچھ نہیں کہ اسلام کو از سرِ نو ایک تحریک کی حیثیت سے اُٹھایا جائے اور مسلم کے معنی کو پھر سے تازہ کیا جائے ۔ مُردوں کی اس بستی میں جو تھوڑے بہت مسلمان دل ابھی حرکت کر رہے ہیں ، اور جن کی گہرائیوں سے ابھی تک یہ شہادت بلند ہو رہی ہے کہ اسلام ہی حق اور صدق ہے اور انسانیت کی فلاح صرف طریقِ اسلامی ہی میں ہے ، ان کو جان لینا چاہیے کہ اب کرنے کا کام صرف یہی ہے —— مگر اس کام کو کرنا کھیل نہیں ہے ۔ یہ وہ کوہ کنی ہے جس کے تصور ہی سے فرہاد کا زہرہ آب ہو جاتا ہے ۔

© rasailojaraid.com